Fikr-o-Nasar (Islamabad) 8:6 (1969)

اسلام میں مسئلہ ملکیّت زمین[1]

علال الفاسی ـــــ ترجمہ محمود احمد غازی

فقہاء ملکیت کی تعریف میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ مال یا باقیمت شے ہے جس سے کسی فرد کو کسی شائبہ حرمت کے بغیر شرعی انتفاع کا حق حاصل ہو، انفرادی ملکیت عموماً یا تو حقوق ذاتی یا پھر حقوق ذمہ داری کی وجہ سے وجود میں آتی ہے، املاک جائداد منقولہ اور جائداد غیر منقولہ (عقار) میں تقسیم کی جاتی ہے۔ اس تقسیم سے بہت سے عملی فوائد حاصل ہوتے ہیں، خواہ ان کا تعلق ملکیت، قابلیت ملکیت، رہن، استحقاق اور انتظامی امور سے ہو یا دیگر فرق پیدا کرنے والے اُمور سے جن کا تذکرہ فقہاء نے بیان کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جائداد غیر منقولہ (عقار) ایک مستقل بالذات شے ہے جو نہایت سہولت سے پہچانی جاتی ہے اس کے برعکس جائداد منقولہ ہمیشہ مختلف اور دگرگوں ہوتی رہتی ہے، اس کے علاوہ جائداد غیر منقولہ (عقار) کی اقتصادی اہمیت کی وجہ سے بھی دیوانی قانون (CIVIL LAW) میں اسے جائداد منقولہ پر فوقیت حاصل ہے۔ یہ صورت حال اس وقت تک قائم رہی جب تک شراکتوں (COMPANIES) کی تنظیم اور مالی حصص (SHARES) کے وجود میں آنے سے جو جائداد منقولہ شمار ہوتے ہیں، دولت میں وہ عظیم الشان تغیر رونما نہ ہو گیا جس کی وجہ سے جائداد منقولہ کی قیمت و اہمیت جائداد غیر منقولہ (عقار) سے بڑھ گئی۔

چنانچہ دیوانی قانون کے طرزِ فکر میں ملکیت کی ان دونوں قسموں کی اقتصادی حیثیت بدل جانے سے ایک گونہ تبدیلی رونما ہو گئی ہے، اسلام نے اس تبدیلی کو روزِ اوّل سے ہی زکوٰۃ کے قوانین بناتے وقت محسوس کر لیا تھا، چنانچہ زکوٰۃ کا نظام جائدادِ منقولہ یا غیر منقولہ میں وقوع پذیر ہونے والی جملہ تبدیلیوں کا ساتھ دیتا ہے، اور یہی وہ برتری ہے جس سے اسلامی اقتصادی فکر کی ہمہ گیری اور اس میں ہر دَور کے تقاضوں کا ساتھ دینے کی صلاحیت کا علم ہوتا ہے۔

اسلامی قانون موجودہ دیوانی قانون کی اس تقسیم کو تسلیم نہیں کرتا جس کی رو سے جائداد و املاک

1۔ چونکہ یہ مقالہ زمین سے مخصوص ہے لہٰذا اس میں جائداد و املاک زمین ہی کے لئے مستعمل ہے

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

کو چار قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔
۱۔ طبیعی املاک و جائداد۔ ۲۔ تعیینی و تخصیصی املاک و جائداد
۳۔ اقراری جائداد و املاک۔
۴۔ احکامی یعنی حکومت کے قوانین کی کسی خاص دفعہ کے تحت ہونے والی املاک و جائداد۔

اسلامی قانون کی رو سے تمام اموال کی دو قسمیں ہیں :۔
۱۔ جائداد غیر منقولہ (عقار) اور اس کے متعلقات و ملحقات جو جائداد غیر منقولہ ہی کے حکم میں ہوں گے۔
۲۔ جائداد منقولہ اور اس کے متعلقات و ملحقات، یہ بھی جائداد منقولہ ہی کے حکم میں ہوں گے۔
اس تقسیم کی رو سے زمین، اس کے اندر پوشیدہ دفینے، اس سے وابستہ کھیتیاں، درختوں پر لگے ہوئے پھل، یہ تمام چیزیں جائداد غیر منقولہ کے حکم میں ہیں، جب کہ درختوں سے جدا کئے ہوئے پھل اور کاٹی ہوئی کھیتی جائداد منقولہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

شے مملوکہ کا مالک کبھی ایک فرد ہوتا ہے اس صورت میں اسے شخصی یا انفرادی ملکیت کہا جاتا ہے اور کبھی ایک سے زائد جس کا نام شرکت ہے۔ انفرادی مالک کبھی حقیقی ہوتا ہے اور کبھی اعتباری جیسے بیت المال یا حکومت وغیرہ، کبھی ملکیت ایک پوری جماعت میں پھیلی ہوتی ہے تو اسے سرکاری یا اجتماعی ملکیت کہا جاتا ہے۔

اس مختصر بحث سے ہم اصولی طور پر اسلام میں ملکیتِ زمین و جائداد غیر منقولہ کا مسئلہ طے کرنا چاہتے ہیں۔ نیز یہ بتانا چاہتے ہیں کہ املاک و جائداد اپنے مفہوم کے لحاظ سے انفرادی ملکیت یا جماعتی ملکیت[۱] یا حکومتی ملکیت[۲] ہو سکتی ہے، یہ اسلامی قانون کا ایک بنیادی مسئلہ ہے جس کی تفصیلات بیان کرنے کا یہ وقت نہیں، اس کے لئے فقہ کی کتابوں سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

جائداد غیر منقولہ بالخصوص زمین کی ملکیت کے مسئلہ میں اسلامی فتوحات کے دوران ایک بڑی تبدیلی رونما ہوئی، اب زمین کی تقسیم اس حیثیت سے ہونے لگی کہ اس پر جاری ہونے والے احکام میں حکومت کا مفاد ملحوظ رہتا ہے یا مسلم عوام کا، اس ضمن میں خلفاء نے اس اصول کا شدت سے خیال رکھا کہ دولت اور املاک منقولہ و غیر منقولہ مسلمان فاتحین کی ہی ایک چھوٹی سی جماعت کے ہاتھ میں جمع نہ ہونے

۱؎ یعنی دو یا دو سے زیادہ مالکوں کی مشترکہ ملکیت۔ ۲؎ یعنی عوام کی یا قومی ملکیت۔

پائیں "عبداللہ بن قیس الہمدانی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ جابیہ پہنچے تو انہوں نے وہاں کی زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کر دینے کا ارادہ ظاہر کیا، حضرت معاذؓ نے عرض کی کہ اگر آپ ایسا کر بیٹھے تو بخدا وہ صورتِ حال سامنے آئے گی جو آپ کو ناپسند ہو گی، اگر آپ آج اس زمین کو تقسیم کر دیتے ہیں تو اس کی جملہ آمدنی لوگوں کے قبضے میں چلی جائے گی، پھر ان کے مرنے کے بعد ہو سکتا ہے کہ یہ اراضی (ان کے خاندان کے) ایک فرد ۔ مرد یا عورت ۔ کے تصرف میں آ جائے، اور ان کے بعد جو لوگ اسلام کا دفاع کریں گے انھیں کچھ نہ مل سکے گا۔ اس لئے آپ کوئی ایسا حل تلاش کریں جو اگلوں اور پچھلوں سب کے لئے مفید ہو" حضرت عمرؓ نے حضرت معاذ کے اس ناصحانہ مشورے کو اسی لئے قبول کیا کہ کہیں تمام مفتوحہ اراضی ایک مختصر سی اقلیت کے ہاتھ میں جمع نہ ہو جائے اور بعد میں ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ یا گنتی کے چند ہاتھوں میں منتقل ہوتی رہے اور بقیہ مسلم عوام ان کے مقابلہ میں تنگ دستی کی زندگی بسر کرتے رہیں۔

بلاشبہ یہ بڑی مقدار میں دولت کے شخصی ملکیت میں آنے کا راستہ بند کرنے کے لئے ایک صحیح فکر تھی یہی ارتکازِ دولت جس کی وجہ سے دنیا بھر میں ناداری پھیلی ہوئی ہے۔ امام ابو عبید کتاب الاموال میں ابراہیم التیمی سے روایت کرتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے سوادِ عراق فتح کر لیا تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ سواد کی یہ زمینیں ہمارے درمیان تقسیم کر دیجئے" لیکن حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ پھر تمہارے بعد آنے والے مسلمانوں کو کیا دیا جائے گا؟"

ان ہی وجوہ کی بنا پر خلفائے اسلام نے مسلمانوں کی مفتوحہ اراضی کو مختلف اقسام میں منقسم کیا۔ اس تفصیل کو ہم یہاں پندرہویں صدی شمسی کے مشہور عالم قاضی ابو یعلی حنبلی کی کتاب "الاحکام السلطانیہ" سے شیخ ابو الحسن علی البغدادی الماوردی کی اسی کے ہم نام کتاب سے مقابلہ کے بعد قدرے تصرف و اضافہ سے پیش کرتے ہیں:

مسلمانوں کی مقبوضہ اراضی کو علماء نے تین قسموں میں منقسم کیا ہے:

(۱) قسم اول:۔ وہ اراضی جن کو لشکر کشی اور جنگ سے (عنوۃً) فتح کر کے اسلامی ملکیت میں شامل کیا گیا ہو، اور اس کے اصل مالکان مارے یا قید کئے گئے ہوں یا جلاوطن کر دیئے گئے ہوں۔ اس قسم کی اراضی کے متعلق دو روایتیں ہیں جنہیں عبداللہ نے روایت کیا ہے، ایک یہ کہ ان کو دوسرے تمام اموال کی طرح غنیمت قرار دے کر غانمین کے درمیان تقسیم کر دیا جائے، الا یہ کہ غانمین رضا کارانہ اس سے دست بردار

ہو جائیں تب یہ اراضی عامۃ المسلمین کے مفاد اور ان کی بہبودی کے لئے وقف کردی جائے گی۔ دوسرے یہ کہ سربراہِ مملکت (یا حکومت) کو اختیار ہے کہ مناسب سمجھے تو غانمین کے درمیان تقسیم کردے، اس صورت میں یہ زمین عشری ہوگی اور اگر مناسب سمجھے تو تمام مسلمانوں کے لئے روک رکھے، اس زمین میں مسلمان سکونت اختیار کرلیں یا وہاں مشرکوں کو ہی بحال رکھا جائے، ہر دو صورتوں میں یہ دارالاسلام ہوگی، امام احمد کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ زمین محض فتح ہو جانے سے مسلمانوں کے لئے وقف نہ ہوگی تاوقتیکہ حکومت کی طرف سے باضابطہ اعلان نہ کیا جائے، امام موصوف ہی سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ فتح ہوتے ہی وقف ہو جائے گی۔ لیکن امام مالک کی رائے ہے کہ غنیمت میں ملنے کے ساتھ ہی یہ زمین وقف ہو جائے گی اور اسے غانمین کے درمیان تقسیم کر دینا جائز نہیں ہوگا، اور جب یہ زمین وقف ہو جائے خواہ محض تسلط کی بنا پر یا باقاعدہ اعلان کے بعد تو اس کو فروخت کرنا یا رہن رکھنا جائز نہیں ہوگا۔ حکومت اس زمین پر خراج عائد کردے گی جو اصل زمین کا کرایہ ہوگا، یہ خراج اس زمین پر کام کرنے والوں سے وصول کیا جائے گا خواہ وہ مسلمان ہوں یا معاہد۔ اس زمین سے وصول ہونے والے خراج اور اس میں لگائی جانے والی کھیتی اور پھلوں پر عائد کردہ عشر کو یکجا کیا جائے گا، ہاں اگر قبضہ کے وقت بھی اس زمین میں کھجور کے درخت ہوں تو وہ بھی وقف شمار ہوں گے اور ان پر عشر عائد نہیں ہوگا بلکہ حکومت اس پر خراج عائد کرے گی، اس طرح کی وقف شدہ زمینوں کی کھیتی پر عشر اور خود زمین پر خراج عائد کیا جائے گا۔

(۲)۔ مفتوحہ اراضی کی دوسری قسم وہ ہے جو بغیر زحمت و لشکر کشی کے فتح ہو جائے ایسی زمین سے اگر دشمن خوف کی وجہ سے چلا جائے تو یہ وقف ہو جائے گی، بعض علماء کی رائے میں حکومت کے باقاعدہ اعلان ہی سے ایسی زمین وقف ہو سکتی ہے۔ امام احمد کی عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ (محض انخلا ہی سے) یہ زمین وقف ہو جائے گی۔

(۳)۔ تیسری قسم ان اراضی کی ہے جن پر مسلمانوں کو صلح کے ذریعے قبضہ حاصل ہوا اور شرط یہ ہو کہ زمینیں وہاں کے اصل باشندوں کے تصرف میں رہیں گی اور وہ مقررہ خراج ادا کرتے رہیں گے، ایسی زمین کی دو قسمیں ہیں؛

(ا) ایک وہ جس کے متعلق یہ شرط طے پائے کہ اس زمین کے اصل مالک مسلمان ہوں گے،

اور اس کی خرید و فروخت اور رہن جائز نہیں ہوگا۔

(ب) دوسری قسم وہ ہوگی جس کے مالک صلح ہی اس شرط پر کریں کہ ہماری زمین ہماری ملکیت میں رہے گی اور اس پر مقررہ خراج عائد کر دیا جائے جسے وہ باشندے ادا کرتے رہیں، یہ قسم جزیہ کے حکم میں ہے۔

زمینوں کی اس تقسیم سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ آج تمام عالم اسلام میں پائی جانے والی زمینیں دو قسم کی ہیں:

۱ - وہ زمینیں جو انفرادی ملکیت میں ہیں (۲)- وہ زمینیں جو عامۃ المسلمین کی ملکیت ہیں۔

موخر الذکر قسم وقف کی حیثیت رکھتی ہے لہٰذا اس کا لین دین جائز نہیں اور حکومت وقت یا سربراہ مملکت کی حیثیت اس وقف کے محافظ و نگراں کی سی ہوگی جس پر اسے کسی قسم کے مالکانہ حقوق حاصل نہیں تاہم اس کی آمدنی کا انتظام اور مسلمانوں کے مفاد و مصالح میں اسے خرچ کرنے کی اصل ذمہ داری اُسی کی ہوگی۔ الماوردی نے اپنی کتاب "الاحکام السلطانیۃ" میں لکھا ہے:

"یہ آمدنیاں مفادِ عامہ مثلاً فوج کو مضبوط بنانے، راستوں، پلوں اور مسجدوں کی تعمیر نیز دیگر اداروں کے قیام میں خرچ کی جائیں گی"۔ ماوردی مزید لکھتے ہیں کہ ان زمینوں کا فروخت کرنا ممکن نہیں ورنہ ان سے ملنے والی آمدنیاں اور منافع ختم ہو جائیں گے، ہاں اگر ان زمینوں پر کوئی عمارت یا درخت وغیرہ ہوں تو وہ فروخت کئے جا سکتے ہیں۔

جب ہم صورتِ حال کا معائنہ کرتے ہیں تو ہم اسلامی ممالک کی بیشتر اراضی، عامۃ المسلمین کی اجتماعی ملکیت کے قبیل سے پاتے ہیں، چنانچہ اس اعتبار سے ہم عالم اسلام کی زمینوں کو تین قسموں میں بانٹ سکتے ہیں: ۱- حرم - ۲- حجاز اور ۳- باقی تمام زمینیں۔

مکہ اور مدینہ (حرم) کی اراضی کی حرمت سے متعلق خصوصی احکام سے علماء واقف ہیں۔ مکہ کے گھروں کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ فروخت کئے جا سکتے ہیں یا نہیں، یہ اختلاف اُسی اختلاف پر مبنی ہے کہ مکہ جنگ سے فتح ہوا تھا یا صلح سے۔

جہاں تک حجاز کا تعلق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی فتح کے بارے میں خصوصی حیثیت رکھتے ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات پر مشتمل ہے، اس کی اصل ملکیت ناقابل انتقال ہے، اس کی پیداوار و آمدنی کو خصوصی حیثیت حاصل ہوگی اور وہ

مفادِ عامہ میں خرچ کی جائے گی۔ دوسری قسم میں آپ کے صدقات کے علاوہ تمام اراضی عشری ہیں کیونکہ وہ ان دو صورتوں میں سے ایک ہے یا تو غنیمت جس کے باشندوں پر قبضہ ہو گیا یا ایسی متروکہ زمین جس کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا۔

حرم اور حجاز کے علاوہ تمام اسلامی دنیا کی اراضی کو ہم چار قسموں میں منقسم کر سکتے ہیں؛

۱۔ وہ اراضی جن کے مالکان نے اسلام قبول کر لیا ہو۔

۲۔ وہ اراضی جن کو مسلمانوں نے آباد کیا ہو۔

۳۔ وہ اراضی جن کو غانمین نے فوجی قوت سے حاصل کیا ہو۔

۴۔ وہ اراضی جن کے مالکان سے صلح ہو گئی ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری اراضی کا بڑا حصہ یا فوجی قوت سے حاصل ہوا ہے یا صلح کے ذریعے، لہٰذا یہ سب مسلمانوں کے لئے فئے ہے یعنی عامۃ المسلمین کے لئے وقف ہے، جس کے منافع میں تو تصرف کیا جا سکتا ہے لیکن اسے فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ (یعنی انفرادی ملکیت میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا)۔

فقہاء نے جب جاگیروں کے احکام و اقسام اور جاگیروں کو ان کی زمینوں کی ملکیت کے ساتھ دیئے جانے کے جواز و عدم جواز کے بارے میں پیدا ہونے والے اختلافات بیان کئے تو انہوں نے خراجی زمین کو اس سے مستثنیٰ کر دیا کیونکہ خراجی زمین کا مالک بنا کر کسی کو جاگیر دینا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایسی زمین کی دو ہی قسمیں ہیں۔

۱۔ ایک قسم تو وہ جو وقف ہوتی ہے اور اس سے جو خراج وصول کیا جاتا ہے وہ زمین کا کرایہ ہوتا ہے۔ وقف کی زمین کو کسی شخص کی ملکیت میں نہ جاگیر اور ہبہ کے ذریعے دینا جائز ہے نہ فروخت کے ذریعہ۔

۲۔ دوسری قسم وہ ہے جو کسی کی ملک ہو اور اس کے خراج کو حکومت جزیہ کے طور پر وصول کرے، تو ایسی مملوکہ زمین کا کسی کو جاگیر کے طور پر دے دینا جائز نہ ہو گا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو زمینیں عامۃ المسلمین کی ملکیت ہیں ان کے بارے میں کسی حاکم کو یہ حق حاصل نہیں کہ انھیں کسی فرد یا جماعت کی ملکیت میں دے کر جاگیر کے طور پر بخش دے۔ اس لئے کہ

یہ زمین صرف موجودہ مسلمانوں ہی کی نہیں بلکہ بعد میں آنے والے مسلمان بھی اس سے انتفاع میں شامل ہیں۔ اس زمین کا حکم وہی ہے جو انفرادی ملکیتوں کا ہوتا ہے کہ انھیں ان کے اصل مالکوں سے چھین کر دوسرے کو بطور جاگیر بخش دینا جائز نہیں۔

جاگیر کے طور پر صرف وہ غیر آباد زمین ہی عطا کی جا سکتی ہے جس میں نہ کوئی تعمیر ہو نہ اس پر کسی کی ملکیت ثابت ہو، اس قسم کی زمینوں کے بارے میں حکومت کو اجازت ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو ان زمینوں کے قطعات دے دے جو اس کو آباد کر سکیں، اس صورت میں اس قطعۂ زمین کو آباد کرنے کا اولین حق اسی شخص کا ہوگا جسے وہ قطعہ دیا گیا ہے۔ حکومت یہ بھی کر سکتی ہے کہ کسی مصلحتِ عامہ کے پیشِ نظر اسے "حمی" قرار دے دے، اس صورت میں یہ سرکاری ملکیت ہو گی۔

آباد زمینوں کے بارے میں فقہاء کے ہاں کچھ تفصیلات ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ وہ زمین جو عوامی ملکیت سے تعلق رکھتی ہو کسی کو کرایہ پر نہیں دی جا سکتی جسے فقہ میں خراج کہا جاتا ہے چہ جائیکہ وہ زمین جو کسی حقیقی یا حکمی فرد کی شخصی اور ذاتی ملکیت ہو۔

اس بحث سے ہمارے لئے یہ نتیجہ نکال لینا آسان ہے کہ مسلم خلفاء نے اپنی پوری کوششیں انفرادی ملکیت سے منع کئے بغیر اس امر پر مرکوز رکھیں کہ غیر متشددانہ طریقوں سے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں ملکیت زمین کے ارتکاز کو روکیں نیز یہ کہ ذرائع پیداوار کثیر آمدنی اور عامۃ المسلمین کے لئے زیادہ سے زیادہ نفع کا باعث بنیں۔

البتہ یہ حقیقت ہے کہ ان کے بعد آنے والے اربابِ حکومت سلف کی طرح ان اعلیٰ ترین مقاصد کے حصول میں مخلص نہ تھے۔ تا آں کہ ملکیت کی مختلف اقسام آپس میں خلط ملط ہو گئیں اور حلال و حرام کا امتیاز نہ رہا۔ اور حکومتی و انتظامی پہلوؤں کی طرح معاشی پہلو بھی افراتفری کا شکار ہو گیا۔ اس لئے ہمارے لئے یہ ممکن نہیں کہ ہم اصلی اسلام کی طرف صحیح معنوں میں رجوع کر سکیں تا وقتیکہ ہم عمومی دولت کی تقسیم اور ملکیتوں کے معاملات پر نظر ثانی کر کے ان کو ایسی نئی بنیادوں پر قائم نہ کر لیں جو دینِ محمدی کے اصول و قواعد سے پوری طرح ہم آہنگ ہوں جو اپنی اجتماعی روح کی وجہ سے ممتاز ہیں اور جن کی نظیر دوسرے ادیان میں ملنا ممکن نہیں۔